eISSN: 2789-6331
pISSN:2789-4169

CC BY
OPEN ACCESS

ڈاکٹر رضوانہ نقوی
اردو لیکچرار، گورنمنٹ ایسوسی ایٹ کالج برائے خواتین جلال پور، شریف جہلم

Dr Rizwana Naqvi
Lecturer Urdu , Govt Associate College for Women Jalalpur Sharif Jhelum

میرابائی: بغاوت و عشق ایک بازدید

MEERA BAIE: LOVE & SEDITION AN ADUMBRATION

ABSTRACT

Meera Baie is a renowned figure of feminine history, she was an adorable symbol of Divine love & majestic courage. Through her practical life and poetry she crossed dogma of society, she brought a tremendous change in womenlike circle because she was the 1st women in Indian history after Vedic period who signout for the innerself and importance of women existence. All this courage and spirit was driven by the divine love of '' KRISHAN'' who Himself is a metaphore of human solemnity, security and endeavor. Krishan was a spinning point of Meera's life and His love made her courageous to talk for herself and about the ethics of society, but it went wrong in set pattern of Men's society , they couldn't accept such peculiar thoughts and activities of a royal women so, religious and social prepossession try to defeat the Meera and her love but couldn't prevail . In opposite of such social burden and dogmatism Meera Baie proffer the melody of love , harmony and equality but it was rejected grimly , then Meera Baie's devotion changed into insurrection and she left all her belonging whether it was family or wealth. Her real belonging was the Krishan's love in both of worlds. This love empowered her for the resuscitation of women rights so with the help of her enchanted personality and implantation of her poems, songs and deep knowledge she influenced a great human circle even after her period to till this time.This article throws the light upon revolutionary love and variableness of her sedition.

KEYWORDS

Meera Baie , divine love, krishan, vedic period , dogma of society, women rights, solemnity, courage, endeavor, religious prepossession, insurrection, melody of love.

بغاوت یا سرکشی کسی نوع کی اطاعت یا حکم کی پابجائی سے انکار ہے۔ کسی حکمران نظام یا سماج کی متعینہ قدروں کو ماننے سے انکار یا ان کی خلاف ورزی بغاوت کے زمرے میں آتی ہے۔ عشق بذات خود بغاوت ہی کا دوسرا نام ہے۔ یہ بغاوت خود اپنی ذات، مرتبے، مقام و سماج سے

بھی ہوتی ہے اور اس روایت سے بھی کہ جو سماج اور عشق ہر دو حوالوں سے عامل کے لیے متعینہ معیار و مصادر رکھتی ہے۔ ہر دور میں عشق کے تقاضے ذاتی و دنیاوی طور پر الگ ہوتے ہیں۔ میرابائی کا عہد عورت کے عشق کے لیے مشکل ہی نہیں ناممکن بھی تھا یہ عورت کی حیثیت و مقام کے حوالے سے مکمل طور پر گھٹا ہوا استحصالی نظام جو ناری کو فقط ایک شے سمجھتا تھا جس کے تحت عورت ماں باپ کے گھر بھی ملکیتی شے تھی اور سسرال میں بھی۔ عورت کی من مرضی، خواہش، حسرت اور حیثیت اس قابل نہ تھی کہ مردانہ سماج اس پر توجہ دے سکے۔ اس کے گونگے، بہرے اور بے حس ہونے میں ہی عافیت تھی۔ قدیم ہندوستانی سماج کا مطالعہ اس حقیقت کو آشکار کرتا ہے کہ ہندوستانی سماج میں عورت کی کمتر حیثیت ہمیشہ سے ایسی نہ تھی بلکہ زمانہ سلف بعید میں عورت سماج کا ایک بنیادی کل اور سماجی استحسان میں برابر کی حصہ دار واحترام کی حامل تھی۔

> "اس لیے اسے اردھانگی (مردوں کے جسم کا نصف حصہ) کا نام دیا گیا تھا۔ گھر میں ان کا درجہ بہت بلند تھا یگیہ وغیرہ رسوم میں شوہر کے ساتھ بیٹھنا لازمی تھا۔ راماین اور مہابھارت میں ہی نہیں ان کے بعد کے ناٹکوں میں بھی عورت کا درجہ بہت بلند بتایا گیا ہے۔ بھوبھوتی اور نارائن بھت کے ناٹکوں سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہءِ قدیم میں عورت کا کافی وقار تھا"۔(1)

اس عہد میں عورت کو محض سماجی برتری ہی حاصل نہ تھی بلکہ وہ علم و ادب میں بھی اپنا شوق پورا کر سکتی تھی بعد کے عہد کی طرح عورت اور شودر کے لئے تعلیم ابھی خطرناک ثابت نہ ہوئی تھی 'بان بھت' نے اس امر کا اظہار کیا ہے کہ عورت بغیر کسی روک ٹوک کے تعلیم حاصل کر سکتی تھی راج شری کو بودھا اصولوں کی تعلیم دینے کے لیے دواکر متو کا تقرر ہوا تھا۔ شنکر اچاریہ کے ساتھ شاستر ارتھ کرنے والے مندن مسر کی بیوی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنے علم و حاضر جوابی سے شنکر اچاریہ کو بھی لاجواب کر دیا تھا۔ قدیم تاریخ کے مطابق زمانہءِ قدیم کے مشہور شاعر راج شیکھر کی بیوی اونتی سندری علم و فضیلت میں یگانہءِ روزگار تھی۔ راج شیکھر نے دیگر علماء سے اختلاف رائے میں جہاں ان کی آرا کو شاملِ کتاب کیا ہے وہی تین مقامات پر اس نے اونتی سندری کی رائے کا حوالہ بھی دیا ہے۔ اونتی سندری نے پراکرت میں مستعمل دیسی الفاظ کی لغت بھی ترتیب دی تھی جس میں ہر لفظ کے استعمال کی سند اس نے اپنی ہی تصنیف سے پیش کی تھی۔ اس عہد کے لوگ عورت کو ہر مقام اور ہر روپ میں معزز و قیمتی گردانتے ہوئے نہ صرف ان کی حیات کی راہیں وسیع کرنے میں مددگار تھے بلکہ علم و فضل میں ان کی برتری اس عہد کے لیے باعث تعظیم و تفاخر تھی۔ راج شیکھر نے 'ناگری پرچائی پتر کا' میں اس بات کا برملا اظہار کیا ہے کہ مردوں کی طرح عورتیں بھی شاعر ہوں۔ اس کے مطابق ملکہ تو روح میں ہوتا ہے وہ مرد یا عورت کی جنس میں نہیں چنانچہ قدیم تاریخ میں راجاؤں اور وزیروں کی بیٹیاں، ارباب نشاط، پنڈتوں کی بیویاں، شاستروں کی ماہر اور شاعرہ دیکھی جاتی ہیں۔ تعلیم کے علاوہ سماجی میدان میں بھی عورت اور اس کے

کردار کی فعالیت کسی طور پر کم نہ تھی وہ اپنی من مرضی میں آزاد تھیں۔ شاہی محل کی عورتیں سیر و تفریح کے علاوہ پنڈتوں، جوشتیوں اور عاملوں سے ملتی تھیں، مندروں اور پوجا گھروں میں آزادانہ جاتی تھیں، گھڑ سواری و میدان جنگ میں اعلی جوہر دکھاتی تھیں۔ "دکھن کے پنچھی سولنکی وکرمادتیئے کی بہن 'اکادیوی' طبعاً نا صرف دلیر تھی بلکہ فن سیاست میں وہ اس قدر ماہر تھی کہ چار صوبوں پر حکومت کرتی تھی (2) اس نوع کی متعدد مثالیں قدیم ہندوستانی تہذیب و تاریخ میں موجود ہیں کہ جہاں چند استثنائی مثالوں کے علاوہ وہ شادی بیاہ، لین دین، زمین جائیداد تک میں عورت کا مقام بلند اور تسلی بخش نظر آتا ہے۔ Parabha Sahay نے اپنی کتاب Women in Early Indian Society میں بیسیوں مثالوں کے ذریعے عہد قدیم میں عورت کی قابل اطمینان و قابلِ فخر سماجی و خانگی حالت کو واضح کیا ہے ان کے مطابق:

> There has always been a change in the staus of women in different periods.In the early vedic period women enjoyed a very high position and they were granted many rights .Women had equal righyts as men.She took part in all religious matters and festivals along with her husband.She was considered to be mistress of the house.She was highly civilized and she actively took keen interst in social and religious work.The wife was treated with atmost courtesy and regard.No religious sacrifice could be properly conducted without the presence of wives.Women could move freely in the society and she enjoyed equal rights in the field of education as the men.There are a few examples of polygamy wich shows that men could keep more then one wife but the society did not favour the sytem of polygamy.The presents and gifts which the parents of the girl offered on the occasion of marriage ceremony was the property of the bride only.In the later vedic period also the husband and wife were the complements of each other.Men is only one half ,says a vedic passage he is not complete till he is united with a wife and gives birth to children.This principal was recongnized in the vedic age and approveed by the later "Dharmasastra" Writers like Manu and Apastamba. But in the later vedic period there was a marvellous change in the society.Gradually, with the passage of time the vedic religion became complicated and ritualistic,women were denied the righ to participate in such religious activities.Brahmanas began to consider women low and thety were not allowed to sing vedic hymns.''(3)

عورت کے مرتبے اور حقوق میں آخری ویدک عہد سے آنے والی تبدیلی ہر نئے دور کے ساتھ عورت کے لئے مشکلات اور پابندیوں کی نئی زنجیریں تخلیق کرتی گئی اور سماج پر مذہبی پنڈتوں کا اثر بڑھتا ہی چلا گیا۔ ہندوستان متنوع مذاہب، ملتوں اور نسلوں کا دیس رہا ہے جو اپنی فکر ،معاملات، تخلیقات اور روایات کے لحاظ سے ایک دوسرے سے بہت مختلف تھے۔ آریوں نے اپنا اثر پیدا کرنے کی کوشش تو کی مگر اس کوشش میں مکمل کامیابی میسر نہ آئی۔ آریائی ذہنیت کی مقبولیت غیر آریائی طبقوں میں زیادہ دکھنے لگی مگر یہ طبقے بھی اپنی قدیمی حیات وروایات کو مکمل طور پر تج کرنے سے قاصر رہے۔ تشکیل سماج کے اس عہد میں آریا غیر آریا دونوں ایک دوسرے سے متاثر ہو رہے تھے لیکن سماج کی وہ تشکیل کہ جو مختلف طبقوں میں حقوق و فرائض کی برابری پہ متعین ہونا تھی آہستہ آہستہ استحصالی و اجارہ دارانہ خطوط پہ استوار ہونے لگی۔ ذات پات کا نظام تشکیل پانے لگا اور اسے پیدا کرنے میں برہمن کا بڑا ہاتھ اور اسی کا مفاد تھا اور اس سے مقصود سماجی مطلق العنانی تھی کیونکہ ذات پات کے نظریے کو جس طرح واضح کیا گیا ہے وہ بتاتا ہے کہ ذات کی تقسیم در اصل انسانی اختیار سے ماورا الہیاتی منشا ہے اور دیوتا یہ چاہتے ہیں کہ برہمن قوت الٰہی بن کر سماج میں جلوہ گر ہوں۔ یوں ذات کا ادارہ دیوتاؤں ہی کی طرح مقدس ٹھہرا جس پر انگلی اٹھانا حیات و موت دونوں دنیاؤں میں عذاب سے دوچار ہونا تھا۔ حالانکہ قدیم طرز حیات و تشکیلِ مذاہب کا بنظرِ غائر مطالعہ اس حقیقت کو کھول دیتا ہے کہ ذات میں الہیاتی جھلک دراصل پروہت کی کارفرمائی ہے دیوتاؤں کی نہیں۔ کیونکہ پروہت اپنے مفادات کے لیے جس سامراجی نظام کو لاگو کرنا چاہتے تھے اس کے لیے دیوتا کا سہارا لازم تھا ورنہ سماج کی طرف سے اٹھنے والی انگلی اور ابھرنے والا احتجاج انکے لامحدود اختیارات کو چیلنج کر سکتا تھا۔ اور اسی ذات پات کے نظام نے ہندوستان میں آریائی حکومت کو مضبوط و متشدد بنیاد فراہم کر کے مکمل اختیار و اطمینان کی فضا فراہم کی کیونکہ دیوتاؤں کی تقسیم (غیر منصفانہ) وہ قدرتی امر تھا کہ جس کے سامنے انسان بے بس تھے اور ذات کے اس مقدس ادارے میں داخل اندازی ناممکن تھی، یہ تو تھی نئے ابھرتے ہوئے سماج کی منفی صورت جبکہ اگر اثباتی حوالے سے غور کیا جائے تو سماجی تشکیل میں ذات کے اس ادارے کی کوشش یہ تھی کہ وہ مختلف گروہ جو آریائی اقتدار اعلی کو تسلیم کر چکے تھے لیکن اپنے اپنے گروہی وروایتی خصائص تیاگنے پر تیار نہ تھے وہ ایک ہی سماج میں زندہ رہتے ہوئے اپنی ہستی کو ایک منظم نظام میں قائم رکھ سکیں۔ ذات نے درحقیقت سماجی حیات کا توازن یوں قائم کیا کہ آریا و دراوڑ دونوں زندہ رہیں۔ اور ان کے سماجی قوانین واصولوں کو تسلیم کیا جائے۔ اس حوالے سے ایشور اٹوپا کا بیان ہے:

> "ذات نے اس بات کی اجازت دی کہ ہر گروہ اپنی عقیدت اور روایات کے بموجب اپنی زندگی بسر کر سکتا تھا۔ لیکن گروہوں کے آپس میں میل کھانے کی اجازت نہیں دی گئی۔ اس سماجی نظام نے گروہی زندگی پر بڑا اصرار کیا تھا اور ہر چیز گروہی نقطہ نظر سے دیکھی جاتی تھی۔ ہر گروہ کے حقوق تسلیم کیے گئے تھے اور ہر گروہ اپنی اپنی جگہ برقرار تھا۔ ہر گروہ ایک قوت تھی اور گروہ اپنی قدیم روایتی زندگی پر ناز کر سکتا

اور اس کو ترقی دے سکتا تھا۔ گروہ کی زندگی ذات کی جان تھی۔ شرط صرف یہ تھی کہ ہر گروہ پروہت کو
تسلیم کرے اور پروہت کے چند اصولوں کو مان لے"۔(4)

چنانچہ تاریخی مطالعہ اس حقیقت کو آشکار کرتا ہے کہ حاکم و محکوم دونوں گروہوں نے اس شرط کو تسلیم کیا اور یوں سماجی نظام کی ترتیب اور گروہی حیات کی تنظیم میں کوئی قابل ذکر ہنگامہ پیدا کیے بغیر زندگی اپنی ڈگر پر رواں دواں ہو گئی۔ دھرم شاستر کی کتب بھی ذات کے اس ارتقا کی پابند ٹھہریں اور ہر گروہ کے لیے ان کی پیروی لازمی قرار دی گئی تاکہ آریاؤں کا نسلی تفاخر و خصائص نئی آبادی و نئی زمین سے ملنے کے باوجود خلط ملط ہو کر مٹنے نہ پائیں۔ اس بات پر خصوصی توجہ مرکوز کی گئی کہ اس نئی گروہی زندگی میں اختلاط کے ہر اس مواقع و مقام کی بیخ کنی کی جائے کہ جس سے نسلوں میں بگاڑ پیدا ہو اور آریا قوم دنیا سے غائب ہو جائے۔ اس حوالے سے سب سے اہم طریقہ جو اختیار کیا گیا وہ عورتوں کو مغلوب کرنا تھا۔ ان کی آزادی, سوچ و عمل اور ذات کی عظیم تشخص و انفرادیت کو سلب کر کے ایک مضبوط نظام کی اطاعت پر مجبور کرنا تھا تاکہ گروہی حیات کی جکڑ بندی آریا کی نسل و تہذیب کے خصائص کو غیر آریائی فضا سے دور کر دے اور چونکہ عورت منبعِ ہستی اور حیاتِ نو کی امین ہے اور اس کی شخصی زندگی اور اس کی انفرادیت کو میل جول، اتحاد اور آمیزش کا تحرک فعال رکھتا ہے سو عورتوں کی آزادی گویا دھرم شاستری نقطہ نگاہ سے آریوں کے نسلی خصائص کی بربادی تھی چنانچہ اس آزادی کو زنجیر ڈالنا لازم تھا جیسا کہ پہلے ذکر ہوا کہ آریہ کے ابتدائی زمانہ میں عورت نہ صرف آزاد بلکہ سماجی تفاعل کا ایک بڑا کل تھی وہ اپنی زندگی کا رخ متعین کرنے میں آزاد شادی بیاہ کے معاملات میں نہ صرف اپنے بر کے انتخاب میں رائے رکھتی تھی بلکہ اسے اپنے بر کو اپنی مرضی سے چننے کا بھی اختیار حاصل تھا۔ اس زمانہ میں کم سنی کی شادی کا رواج نہ تھا نوجوان مرد عورت کے دوستانہ تعلقات معیوب نہ تھے اور اکثر و بیشتر یہی دوستی رشتہ ازدواج میں منسلک ہوا کرتی تھی۔ لڑکی کی شادی کے لئے والدین کے ساتھ ساتھ خود لڑکی کی پسند بھی لازم تھی لیکن لڑکی بغیر ان کی رضامندی کے بھی شادی کر سکتی تھی۔ تمام سماجی رسوم، قومی تہوار و تہذیبی جشن عورت کی شرکت کے بنا ادھورے تصور ہوتے تھے۔ ذات کے ادارہ کی تشکیل سے پہلے آریہ سماج میں مرد عورت سماجی عمل کے ہر حصے میں آزادانہ ایک دوسرے کا نہ صرف ہاتھ بٹاتے تھے بلکہ ایک دوسرے سے متاثر بھی ہوتے تھے۔ ابتداً آریاؤں نے اپنی عورتوں کو مکمل شخصی و سماجی آزادی فراہم کر رکھی تھی اور وہ اس پر فخر کرتے تھے۔ مگر آنے والے وقت میں ذات کے ادارے نے اس سنہری دور کا خاتمہ کر کے عورت کو مذہب و قوانین کے مہیب پنجرے میں قید کر دیا تاکہ ذات کا تشخص قائم رہے اور سماج برتر و کمتر، اور اعلیٰ و ادنیٰ کی اس تقسیم میں آریہ کو بلند و مضبوط بنیاد فراہم کرے۔ اس مضبوط مگر ظالمانہ احساس برتری نے عورت کو اس کی حقیقی اور فطری آزادی سے محروم کر کے ایک ایسی قید مسلسل کے سپرد کیا کہ جہاں اس کی حیثیت ایک ملکیتی شے سے زیادہ نہ تھی آریائی عورت کی آزادانہ ہستی و حیثیت ختم ہوئی تو وہ فقط مرد کی غلام بن کر رہ گئی۔ اس کے حقوق بے جان پڑ گئے اور اشتراک عمل کی قوت آریائی دراوڑی سماج سے ختم ہونے لگی۔ مرد کا بنایا قانون اور

نقطہءِ نظر اسکی قسمت بنا اور سماجی و تمدنی حیات کی ترقی میں اس کے کارہائے نمایاں پہ پانی پھر گیا۔ دھرم شاستر کی رو سے جو نسوانی نصب العین ملک کے سامنے پیش کیا گیا اس کی رو سے سماجی اور مذہبی قوانین پر عمل کرنا اور اپنے نسلی امتیاز کو برقرار رکھنا اس کا فرض عین ٹھہرا۔ نسوانی نصب العین کا تعلق آریوں کے سماجی مسلک سے بہت گہرا بتایا گیا۔ ان قیود کے تحت ہندی عورت اپنی نسوانی تہذیب و تمدن کی نشوونما اپنے نسوانی اصولوں کے تحت کرنے پر قادر نہ رہی اور سماجی حوالے سے وہ محتاج ہو کر مرد کے قدموں میں آ گری۔ ذات کے قوانین نے اسے ہمیشہ اپنی غیر فطری کسوٹی پہ کسا اور اس کی ذاتی زندگی کی ان خوبیوں اور خصوصیات کو ترقی دی جو مرد سماج کے غلبے کو ترقی دیتی تھیں۔ یو دھرم شاستر کی اطاعت گزار یہ معیاری عورتیں دراصل غیر فطری عورتیں تھیں جن کا وجود بشری حیات کے اس تنوع میں خال خال ہی نظر آتا ہے مگر وہ دھرم شاستر کے تبلیغی حربے کا کامیاب ہتھیار تھی۔ دھرم شاستر لکھنے والوں نے سماجی و تمدنی قانون سازی میں عورت کے انفرادی خصائص و اس کی ذات کے تقاضوں کو بالکل پس پشت ڈال دیا تھا۔ ان قوانین میں عورت سے مراد ایک زندہ کل نہیں ایک کاٹھ کی پتلی تھی جس کی ساری ڈوریں سامراجی نظام کے ہاتھ میں تھیں اور اس کا وجود کوئی آزاد تحرک نہیں بلکہ سامراجی حیات کے تحفظ کے لیے استعمال ہونے والا آلہ تھا۔ عام ہندی عورت چونکہ اختلافی تہذیب کی پروردہ اور آئندہ اس کو پیدا کرنے والی تھیں سو دھرم شاستری اصولوں کے مطابق وہ ایک ناشائستہ اور ناقابل قبول ہستی تھی کہ جس سے آریا تہذیب و تمدن کی برتری و اخلاص کو نقصان پہنچ رہا تھا۔ اس نقصان سے بچنے کے لیے قانون ذات کی بندش و سختی عام اور خاص ہر دو نوع کی عورتوں پر بڑھتی چلی گئی۔ اس تمام دھرم شاستر تحریک کا ہرگز یہ مطمعِ نظر نہ تھا کہ عورت پر سختی کر کے سماج میں کسی بلند اخلاقی و نسائی نصب العین یا انسانی قوتوں کو فروغ دیا جائے بلکہ اس تمام تر سعی کا مقصد مردانہ اقتدار اور اونچی ذات کے تحفظ کا لوبھ تھا کہ جہاں عورت کی ہستی بھی کسی جانور کی طرح قربان ہوتی تھی۔ اس کی زندگی کا محور سماجی حیات میں متعینہ وہ مخصوص گروہ تھا کہ جس کا انتخاب اس کی مرضی سے ماورا دھرم شاستر نے کر دیا تھا اب اس کی ترقی یا زوال اسی گروہی دائرے پر منحصر تھا اور المیہ تھا کہ اس برتر گروہ میں گروہ در گروہ جکڑ بندیاں تھی جو عورت کو پیدائش سے لے کر موت تک بے اختیار و بے کس ہو کر رکھتے ہوئے موت کے بعد آنے والی حیات تک کا فیصلہ اپنی مرضی سے سنا دیتی تھیں۔ گو کہ یہ بھی حقیقت ہے کہ زندگی خود بہت بڑی طاقت ہے جو سانس لینے کے لیے روزن بہر حال ڈھونڈ ہی لیتی ہے۔ سو سماجی سختیوں کے اس ماحول میں بھی عورتوں کی وجہ سے مختلف اقوام و گروہوں میں محدود پیمانے پر میل جول بڑھنے لگا اور ملک میں نئی نئی ذاتیں پیدا ہونے لگی لیکن اس عمل میں صدیاں بیت گئیں اور صدیوں کے اس تسلسل میں بھی اونچی ذات کی عورت ایک عام عورت سے کئی گناہ زیادہ بے بس و لاچار تھی کہ دھرم نے اس کے نازک کندھوں پر عقیدے، حرمت، فرض اور ذمہ داری کا بھاری بوجھ یوں ڈال دیا تھا کہ وہ جھوٹی عظمت کی ان بیڑیوں سے چاہتے ہوئے بھی خود کو نہ چھڑا پاتی تھی۔ دوسری طرف عورت کی عظمت و کمتری اور

آزادی وقید کے دوطرفہ تاریخی حقائق نے سماج ومذہب دونوں میں ایک لامختتم ابہامی صورتحال کو جنم دیا تھا کہ جہاں ایک طرف مقدس کتب و روایات کی رو سے عورت دیوی اور منبعِ طاقت وحیات تھی کہ جس کے آگے دیوتا بھی سر نہیں اٹھاسکتے تھے تو دوسری طرف یہی عورت مذہبی تحریروں اور لوک ورثے میں متلون مزاج، نازک، جذبات انگیز، شر پسند، حماقت کرنے والی، طمع و فریب کی پڑیا، غلاظت کا مسکن، عقل سے عاری اور برائیوں کی جڑ بھی تھی، سوزندگی کے دھارے کے مستقل استقلال کے لیے اس بس کی پڑیا پر قابو رکھنا لازم تھا۔ شاستروں کے مطابق نازک وناتواں ہونے کے باعث حیات کے ہر قدم پر اسے تحفظ درکار تھا سو مرد کی پناہ اور اس کا ارادہ بطور باپ، شوہر اور بیٹا اس کی ذات کے لیے لازم ٹھہرا اور زندگی کے ہر مرحلے پہ مرد کی اطاعت گزاری اس کا نصب العین۔ سماج میں غالب طور پر عورت کا منفی وحکارت آمیز تصور پنپتا رہا اور زندگی کے ہر شعبے میں اس کے حوالے سے رویہ غیر سنجیدہ اور تضحیک آمیز رہا یہاں تک کہ شعرا کے ہاں بھی اکثر مقامات پر عورت اسی کمزور، بے وقعت اور انتشاری کردار کی صورت ابھرتی ہے۔ حتیٰ کہ 'تلسی داس' جیسے بھگت شاعر کے ہاں تو اس کا حقارت آمیز کردار اس کے لئے سزا کے عمل کو لازم ٹھہرا دیتا ہے۔

"ڈھول، گنوار، پشو، شودر، ناری

یہ سب تاڑن کے ہیں ادھیکاری(5)

یعنی ڈھول، گنوار، جانور، شودر (اچھوت) اور عورت کو راہ راست پر رکھنے کے لئے سزا دینا ضروری ہوتی ہے۔ یوں تمام حقوق و قوانین کے ساتھ ساتھ سزا کا حق بھی مرد کی جھولی میں جا گرا اور اس نظام کا تسلسل آج تک کسی نہ کسی صورت میں ہندو سماج میں موجود ہے لیکن پندرہویں و سولہویں صدی میں عورت کی سماجی حالت آج سے بہت زیادہ دگرگوں تھی۔ ایسا سماج جو عورت کو جینے کے لیے حقوق تو کیا ضروریات دینے پہ بھی راضی نہ تھا وہاں "میرا بائی" نے سماجی قوانین کا رد کرتے ہوئے اپنے نفسی ونسوانی تقاضوں کے مطابق راہ حیات کا تعین کیا، گو کہ اس راہ کے ہر قدم پر کانٹے ہی کانٹے تھے مگر ان کا اخلاص، جرات، لگن واستقلال انہیں اس عہد کے عمل ورد عمل کا ایک ایسا استعارہ بنا گیا کہ جس کی معنویت صدیاں گزرنے کے بعد بھی ہنوز مفاہیم سے لبریز ہے۔

> Mira, howeve , could not be easily forgotten .Her devotion , her faith and fitness , her life of one pointed dedication to the lord, have left an indelible mark on the path of time .In the cultural life of the country she has remained shining through the past 450 years , a star with an ever-Increasing brilliance. Ignored by historians she lived in the hearts of the people through her lyrical compositions, compositions whose appeal and popularity have remained undiminished.(6)

میرا بائی میڑتا کے شاہی خاندان سے تھیں ان کا جنم بعض روایات کے مطابق 1498ء اور بعض کے مطابق 1555ء میں ریاست میڑتا کے بانی راؤ دودا کے چوتھے بیٹے رتن سنگھ کے ہاں ہوا۔ راؤ دودا جودھپور کے معمار راؤ جودھا کے چوتھے بیٹے تھے اور میرا بائی راؤ دودا کی پوتی اور راؤ جودھا کی پرپوتی تھیں۔ انکی پیدائش ناگور کے بالاجی گاؤں میں ہوئی میرا کا خاندان شجاعت و دلیری کے ساتھ ساتھ وشنو بھگتی میں بھی بے مثال تھے میرا کی کرشن بھگتی سے متعلق دو روایات مشہور ہیں اولاً یہ کہ ان کو بچپن میں کسی سادھو (بعض روایات میں ریداس) نے کرشن کی مورتی بطورِ کھلونا دی تھی مگر یہ مورتی ان کی ذات کی تمام دلچسپیوں کا محور بن گئی۔ دوسری یہ کہ ایک روز جب ان کے محل کے قریب سے ایک بارات گزری تو انہوں نے اپنی آئی سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ آئی نے جواب دیا کہ شادی ہو رہی ہے اور وہ دلہا ہے تو میرا نے فوراً کہا میرا دولہا کہاں ہے؟ اس وقت آئی نے مذاقاً صحن کے مندر میں موجود کرشن بھگوان کی مورتی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ تمہارا دولہا یہ ہے۔ یہ بات محض دل بہلاوے کی تھی مگر میرا کے لیے گویا الہام تھی کہ اس نے اس جملے کو اپنی جان کا حاصل ٹھہرایا اور اپنے تن و من سے کرشن کو اپنا پتی تسلیم کر لیا۔ بچپن سے جوانی تک پہنچتے پہنچتے انہیں "رکمنی" کی طرح چہار جانب کرشن ہی کرشن نظر آتے تھے دوجا کوئی نہیں۔ ان کے جذبے کی اس شدت کی خبر تمام خاندان کو تھی مگر سماجی اصول و اقدار کے مقابل کیوں کہ عورت بے بس و حقیر اور کلی طور پر انحصاری ذات تھی سو ان کی شادی سیاسی مصلحت کی خاطر 1573ء میں میواڑ کے مہارانا سنگرام سنگھ کے بیٹے بھوج راج سے کر دی گئی اور یوں میرا ایک ملکیتی چوکھٹ چھوڑ کر دوسری ملکیتی چوکھٹ پہ آن بیٹھیں۔ میرا کا وہ عشق جو پہلے مکمل سکون اور تنہائی میں آزادانہ پلتا رہا تھا سسرال آکر جدوجہد سے دوچار ہوا اور میرا چونکہ خود کو بچپن سے ہی کرشن کی پتنی مانتی تھیں سو انہوں نے بھوج راج کے ساتھ معمول کی ازدواجی حیات گزارنے سے انکار کر دیا۔ یہ عمل سماجی قوانین کی طرف بغاوت کا پہلا قدم تھا کہ جو میرا نے اٹھایا۔ مگر یہ بغاوت وقتی انتشار یا محض اُبال نا تھی بلکہ اگر ہم میرا کی حیات کا بنظرِ غائر مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں ایک مزاحمتی صورتحال مسلسل سرگرداں نظر آتی ہے۔ میرا دیگر روایتی شہزادیوں کی طرح ہار سنگھار اور مال و زر کی کشش نہ رکھتی تھیں۔ نہ ہی ان کے معمولات عمومی ڈگر پر سرگرداں تھے۔ روایتی تعلیم میں بھی انہوں نے اپنی فکر کے ذریعے حیات اور ردعمل کے راستے کھوجے تھے جن کا تعین بعد ازاں ان کی آنے والی زندگی میں ہونا تھا۔ یوں میرا ابتدا ہی سے اس تمام خانگی، سماجی و مذہبی نظام کے خلاف ایک مزاحمتی کردار کی صورت نظر آتی ہیں کہ جس میں زندگی کی حقیقت و حرارت بہت کم تھی، سو شروع میں وہ برداشت اور انفرادیت کے راستوں پر خراماں خراماں گامزن بلآخر میدان کارزار تک آن پہنچیں۔ اس تمام تر مزاحمت اور بعد ازاں اس کی انتہائی شکل بغاوت کے لئے قوت و استقلال میرا کو "کرشن" سے حاصل ہوتا ہے۔ میرا کی کرشن سے محبت محض روایتی پیار نہ تھا کہ جو ہر بھگت اپنے بھگوان سے کرتا ہے بلکہ میرا نے تو کرشن کی ذات کا ہر کونا دیکھا اور ہر رنگ آزمایا تھا۔ اور جب ہر پہلوان کی نفسیاتی و نفسی کشش کو مہمیز کرتا گیا تو

عقیدت کی شدت مجسم عشق بن کر دنیا کے سامنے آ گئی۔ بھگوان ہونے سے قطع نظر "کرشن" کی ذات عورتوں کے لیے بالخصوص حیاتِ نو، تحفظ، پناہ، محبت اور قوت کا وہ بلاخیز سمندر ہے کہ جو عورت کی ناتواں ہستی کو دیگر اشرافیہ کی طرح مصائب برد نہیں کرتا بلکہ اپنی ذات کے آب حیات سے جلا بخش کے پر قوت، پر حرارت اور پر عزم کر دیتا ہے۔ کرشن سماجی و مذہبی ہر حوالے سے کہنہ، فرسودہ اور حیات سوز نظام کے خلاف ہیں سو بچپن ہی سے ان کی ذات گھٹن زدہ سماجی نظام کو چیلنج کرتی رہی ہے بچپن میں بھگوان اندر کے فخر و مباح کے مقابل ایک معمولی پہاڑ (گوردھن پربت) کو اہمیت تفویض کرنا دراصل اس مہیب اور کھوکھلے نظام کو چیلنج کرنا تھا جو صدیوں کے عمل میں اپنی بے معنویت کے باوجود جاری و ساری تھا مگر جس کے خلاف آواز اٹھانا اور بغاوت کی صورت عملی اقدام کرنا گویا خود اپنی موت کو دعوت دینا تھا۔ لیکن اگر بغاوت کرنے والے ہاتھ انتشار سے زیادہ تعمیرِ نو کے خواہش مند ہوں تو کامیابی یقینی ہوتی ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح "بھگوان اندر" کے غضب ناک طوفان کے مقابل کرشن کی بانسری کی مدھر لے اتنی طاقتور تھی کہ اقتدار کا ہمالہ بغیر جنگ و جدل و خونی معرکے کرشن کے قدموں میں آن گرا۔ سماجی تعمیر نو کا دوسرا زاویہ عورت ہے۔ کرشن کی ذات اور ان کا عمل تو ان کے اپنے عہد میں عورت کے حوالے سے گویا ویدک عہد کا نیا جنم تھا۔ وہ سماج کے روایتی و مقبول معنوں میں "معیاری مردوں" کی طرح محض طاقت و اقتدار نہ تھے بلکہ سراپا تحفظ و پیار تھے۔ اور یہ پیار ان کے حریفوں کے منہ اور دل میں ایک طعنے اور ٹھٹھول کی صورت پنپتا اور خار کی صورت کھٹکتا تھا۔ مگر یہی پیار جہاں دھرتی کو حیات عطا کرتا ہے وہیں دوسری طرف کھوکھلے اور جھوٹے ظالمانہ نظام اور لوگوں سے نجات بھی فراہم کرتا ہے۔ عورت کے لیے وہ ہر عہد میں ایک آئیڈیل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

1۔ ایک بیٹے کے طور پر کہ جس کا نصب العین ماں کی اطاعت اور خوشنودی ہے۔ وہ مہارانی "گاندھاری" کی بد دعا کو بھی صاحبِ اقتدار و اختیار ہونے کے باوجود کامل اطاعت و عجز سے مقدس پرشاد کی طرح وصول کرتے ہیں اس سماجی قانون کے برعکس کے جہاں عورت پہ مرد بیٹے کی صورت بھی برتر نگران اور حاکم ہے کرشن کا عمل کاری ضرب ثابت ہوتا ہے۔

2۔ ایک بھائی کے طور پر اپنی بہن کے من کی بات کو جانتے ہوئے اس کے خوابوں اور تمناؤں کے محافظ کے طور پر وہ سماج اور روایت کے دائرے میں غیرت کے ان قوانین کو پاش پاش کرتے ہیں کہ جو عورت سے اس کی خوشی، رضا اور خواب چھین کر اسے محض مردانہ انا کی تسکین کا ذریعہ اور سماج میں جھوٹی شان کا وسیلہ بناتے ہیں۔ اپنی بہن کی آنکھوں سے درد و حسرت کی پرچھائیاں مٹا کر سماج کی مخالفت کے باوجود اسے دریودھن (ناپسندیدہ شوہر) کی بجائے ارجُن (محبوب) کے سنگ رخصت کرنے والا یہ انسان جو اپنی ذات میں دیوتا بھی ہے انسانی فطرت کے ان اصولوں کی تعمیر نو کرتا ہے کہ جہاں مرد اور عورت سماجی حوالے سے برابر ہیں۔

3۔ ایک شوہر کے طور پر اپنے نام کی مالا جپتی رکمنی کو ہزاروں خطروں سے اُرجن کے ذریعے نکال لانے والا شوہر جو ہر قدم پہ اس عورت کا محافظ و مددگار ہے کہ جس نے سماج، روایات و خاندانی کروفر کی بیڑیوں سے آزادی کے لئے اسے پکارا تھا۔ وہ ایک ایسے مرد کے روپ میں ظاہر ہوتے ہیں کہ جس کی ذات مکمل سکون اور فخر و پناہ ہے۔ کرشن نے رکمنی سے بیاہ کر کے یہ ثابت کیا کہ بیاہ وہی ہے جس میں ناری کی رضامندی شامل ہو اور شوہر وہی جسے عورت کا دل تسلیم کرے۔ یہ سارا عمل روایات، اقتدار و سماجی اصولوں کے خلاف تھا مگر انہوں نے ہر قدم پر سماجی اصولوں کے مقابل انسانی اصولوں کو ترجیح دی۔

4۔ ایک دوست کی صورت میں عورت کی ذات، اس کی عزت، اس کے تشخص اور مان کا محافظ اپنی سکھیوں میں سے سب سے مظلوم شہزادی دروپدی کی برہنگی کو حرمت کے لامحدود پردوں سے ڈھانپ لینے والا دوست کہ جو اپنی سکھی کے ہر دکھ میں شریک کار اور اس کے زخموں کا مرہم تھا۔ جس نے "مہابھارت" کی صورت ان تمام فرسودہ، اندھے قوانین کو کہ جنہوں نے مذہبی حرمتوں کی صورت اختیار کر لی تھی اور جن کی موجودگی نے دھرم کو ادھرم اور ادھرم کو دھرم بنا دیا تھا ان تمام روایات و قوانین کا قلع قمع کیا کہ جنہوں نے صدیوں کے عمل میں ہر ظالم کے ہاتھ محرمات کی صورت مضبوط کر کے انسان اور بالخصوص عورت کی ذلت اور بے حرمتی کی بنیاد رکھی تھی۔

5۔ کرشن انصاف، صداقت رواداری اور سب سے بڑھ کے پیکرِ عشق تھے۔ ہزاروں گوپیوں کے من کے راجا اور رادھا کے عاشق ۔ گو کہ میرابائی کو رادھا سے جلن ہوتی تھی اور فطری طور پر ایسا ممکن بھی ہے لیکن رادھا ایک انسانی شخصیت سے ماورا مردانہ ہستی کے مقابل تکمیل کا وہ دوسرا جزو ہے کہ جس کے بغیر انسانی کائنات و سماج نامکمل اور تشنہ رہتے ہیں۔ مگر جوں جوں وقت گزرتا گیا اور تہذیب کے نام پر اصول و قوانین کی جکڑ بندیاں وسیع ہوتی گئی سماج میں عشق معیوب ہی نہیں گناہ بھی ٹھہرا۔ کرشن سماج کے اس کھوکھلے اور نفرت آمیز تصور پر اپنے خالص عشق کی کاری ضرب لگاتے ہیں۔ اور محبت میں یکتائی و سچائی سے وہ نیا راستہ پیدا کرتے ہیں کہ جہاں محب، محبت و محبوب کائنات کا مرکزی نقطہ بن کر حیات کو پنپنے کے لئے قوت و تحرک فراہم کرتے ہیں۔ گو یہ عشق مروجہ سماجی اصولوں کے دائرے میں نہ کل آتا تھا نا آج مگر یہ انسانی فلاح، بقا و بڑھوتری کا وہ دائرہ ہے کہ جس میں قدم رکھنے والا ہر اَشّدھ، شدّھ ہو جاتا ہے۔

میرابائی کا کرشن کی اس سحر ناک شخصیت پہ فدا ہونا کوئی اچنبھا نہیں کہ ہر انوکھی چیز فطرتِ انسانی کو متاثر کرتی ہے۔ اچنبھا ان کی نازک، بے بس اور بے سہارا ہستی کا اس عشق کے لیے استقلال اور ایک مضبوط، ظالم اور مرد کو تحفظ فراہم کرتے سماج کے سامنے تنہا ڈٹ جانا ہے۔ ان کا بیاہ ان کی منشا کے برعکس سیاسی و عسکری مفادات کا عہد نامہ تھا (گو کہ ان کی جانب سے اس بیاہ کے خلاف احتجاج کے کوئی تاریخی ثبوت نہیں ملتے مگر جس طرح وہ کرشن دیوانی ہو چکی تھیں ایسے میں ان کے لئے کسی اور شخص کو بطورِ شوہر قبولنا ممکن نہ تھا) سو جب بیاہی گئیں تو

انہوں نے پتی کو پر میشور ماننے سے انکار کر دیا کیونکہ وہ "پر میشور کو اپنا پتی مان چکی تھیں"۔ یہ ان کے عشق کی صداقت تھی کہ جس کی آنچ لحاتی طور پر بھوج راج کے قلب کو بھی منور کر گئی کہ انہوں نے میرا بائی کو سولی چڑھانے یا نشان عبرت بنانے کی بجائے انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا ۔ بھوج راج کی مصالحت کی بنا پر یہ طوفان جو نا صرف میرا بائی کی ہستی بلکہ ان کے میکے اور سماج میں موجود دیگر عورتوں کی حیات کو بھی ہلا سکتا تھا اپنا رخ موڑ گیا۔ میرا بائی کی بغاوت کا دوسرا قدم ہر اس سماجی و خانگی رسم کا تیاگ تھا کہ جو ان کی من کے خلاف تھی، جنہیں ان کے "گر دھر" کی راہ سے شناسائی نہ تھی سو اپنے سسرال میں دیوی کی پوجا اور جانوروں کی قربانی دونوں کی مخالفت ان کے لئے وبال ثابت ہوئی مگر وہ صبر و عشق کے سہارے وقت گزارتی رہیں اور سسرال والوں کی ہزار کوششیں بھی انہیں ان کی راہ سے نہ ہٹا سکیں۔ ریاست میواڑ میں ہندوستان کے دیگر علاقوں کی نسبت ذات پات کا شاستر ک نظام زیادہ شدت سے سر گرم تھا ایسے میں میرا کا نچلی ذات کے "ہندو سنت ریداس" سے ملنا اور بھگتی درس لینا ایسی بغاوت تھی کہ جس کی سزا سوائے موت کے کچھ نہ ہو سکتی تھی۔ میرا اس روایت شکنی کی سزا جانتی تھیں مگر ان کے کرشن کا عشق انہیں ہر اس جگہ کھینچ لے جاتا تھا کہ جہاں انہیں اپنے محبوب کی خوشبو آتی تھی۔ میرا کرشن کے عشق و بھگتی میں بے خود بھی تھیں اور بے حال بھی سومان و مریادا کی ہر اس لکیر کو الانگ گئیں کہ جو روایتی و سماجی حوالے سے محرمات میں شامل تھی۔

میرے تو گردھر گوپال دوسرونہ کوئی
ماتا چھوڑی, پتا چھوڑے چھوڑے سگا سوئی
ساندھا سنگ بیٹھ بیٹھ لوک لاج کھوئی
سنت دیکھ دوڑی آئی, جگت دیکھ روئی
پریم آنسو ڈار ڈار امر بیل بوئی
مارگ میں تارن ملے سنت نام دوئی
سنت سداسیس پر نام ہر دے ہوئی
اب تو بات پھیل گئی جانے سب کوئی
داسی میرا لال گردھر ہوئی سو ہوئی(7)

اب ذرا ملاحظہ کیجئے کہاں راجپوتانہ شان بان کہ جن کی عورتوں کے لیے خاص اور شاہی مردوں سے بھی آزادانہ بات چیت اور اختلاط منع تھا اور کہاں میرا بائی کا رسوم و رواج اور لوک لاج کو بالائے طاق رکھ سادھو سنتوں کی سنگت میں رہتے ہوئے بھجن کیرتن کرنا، پیروں میں

گھنگرو باندھنا، ہاتھوں سے کرتال بجا کر محبوب راضی کرنا شاہی خاندان و نظام کے لئے حیرت و غضب دونوں کا باعث تھا لیکن میرا اپنے عشق میں ذات پات، تخت و تاج سے بے پرواکرشن کرشن پکارتی اس ہستی کی بلندی و پستی اور ارد گرد پھیلے مایا جال کو بے وقت و بے معنی تصور کرتی تھیں مروجہ نظام کے برعکس وہ انسان بالخصوص عورت کے لئے آزادی، محبت، اعلیٰ اخلاقی اقدار اور من کی مسافرت کو مستحسن جانتی تھیں، یہ تمام چیزیں صدیوں سے کاربند استحصالی نظام کے خلاف کھلی بغاوت تھیں جو میرابائی نے قوتِ عشق کے سہارے کی اور ایک راجپوتانی ورانی ہو کر بھی انہوں نے دنیاوی خزانوں کے مقابل صبر و قناعت اور محبت و عبادت کو حاصلِ حیات مانا۔ اور اس سب کا نتیجہ وہ انسان دوستی تھا کہ جس کا ذکر موجودہ دھرم شاستروں میں موجود نہ تھا۔ سو ہر اس راستے کو اختیار کرنا کہ جو ذات پات اور گروہی انفرادیت کو زک پہنچائے جرم تھا۔ مگر میرا ہر خطرے سے بے پرواہ سچائی کے جس راستے پہ تھیں اس میں مروجہ حیات و نظام حیات کے لیے ایک حقارت، بے دلی و بیزاری اُمڈی پڑ رہی تھی اور اس تمام صورتحال کا برملا اظہار ان کی شاعری میں ملتا ہے جو بڑھتے بڑھتے سرکشی تک آن پہنچا تھا۔

چھانڈی کل کی مان کا کری ہے کوئی
سنتن ڈھگ بیٹھ بیٹھ لوک لاج کھوئی
چنری کے کیے ٹوک اوڑھ لئی لوئی
موتی مونگے اتار بن مالا پوئی(8)

میرا عشق میں کامل ہو رہی ہیں کھوکھلا نظام حیات دم گھوٹتا ہے اور بالآخر احتجاج و بغاوت بن کر ابل پڑتا ہے اور وہ کہتی ہیں میں نے خاندانی مان و تفاخر کو تیاگ ڈالا میرا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ سنتوں کی بیٹھک میں میں نے (مروجہ سماجی معنوں میں) لاج شرم کھو دی ہے اب میرا بلند و عظیم خاندان سے کوئی رشتہ باقی نہیں رہا اسی بنا پر رنگین چنری اتار فقیروں کی گدڑی پہن لی ہے۔ ہیرے، جواہرات میرے کس کام کے سو انہیں اتار پھینکا ہے اور ان کی جگہ جنگلی پھولوں کی مالا میرا ہار سنگھار ہے۔ پروفیسر علی احمد فاطمی کے مطابق: "ان مصروں میں بے نیازی تو ہے ہی دنیا سے بیزاری بھی ہے لیکن کاکری ہے کوئی" میں جو جھٹکا ہے، احتجاج ہے، غم و غصہ ہے اس کا اثر پورے بند میں دیکھا جا سکتا ہے"۔(9)

میرابائی کے لئے اب متعینہ نظام اور راہوں کی پابندی بے معنی و لاحاصل ہے سو وہ ظاہر داری کے اس نظام کو للکارتے ہوئے کہتی ہیں:

رانا جی مجھے یہ بدنامی لگے میٹھی
کوئی نندو، کوئی وندو میں تو چال چلوں گی انوٹھی

سانکڑی گلی ست گر ملیا کیوں کر پھروں انو ٹھی۔(10)

کیونکہ ان کے من کا راجہ صراط مستقیم پہ ہے جھوٹ، چھل، کپٹ سے دور وہ سیدھا سچا اور سچّا ہے۔ جو کوئی اس کے شرن میں آ گیا وہ اس پاپی ظاہر دار دنیا کے بہکاوے میں نہیں آ سکتا۔ سو میرا بائی بھی نہیں آئیں۔ آن بان، تخت و تاج، شان و شکوہ چھوڑ چھاڑ گلیوں کی خاک چھاننا کوئی آسان عمل نہیں اور وہ بھی ایسی صورت میں کہ جب یہ سب عمل ان کے خاندانی عزّ و احتشام کو زمیں بوس کر سکتا ہو، مگر ان کے من میں رام کے براجتے ہی ان کی حیات بدل گئی تھی اب تو صرف اظہار باقی تھا سو انہوں نے اتمام حجّت میں اپنی پوری ذات بدل ڈالی مگر یہ بدلا ہوا روپ زمانے کے مروجہ نظام سے ہم آہنگ نہ ہو سکتا تھا سو کوئی ان کا دشمن ہوا تو کسی نے انہیں پاگل کہہ کر آوازہ کسا۔ کسی نے لاج دلائی کے اس کے کارن خاندانی عزم و شرف خاک میں مل گیا وہ پاپی ہے مگر کچھ ایسے بھی تھے جو میرا کو خدائی روپ اور نور گردانتے تھے۔ لیکن میرا "میں ناہیں سب تو" کے مصداق خود کو کرشن کی راہ کی دھول جانتے ہوئے ذرّے سے ستارہ ہونے کے عمل میں خود و خدائی دونوں سے بیگانہ محوِ گردش ہیں۔ کرشن کا عشق و عقیدت وہ شمع ہے کہ جو گھور ظلمتوں کو منور کر دے۔ یہ بھگتی وہ شکتی ہے جو مضبوط ترین نظاموں اور طاقتوں کو ملیامیٹ کر سکتی ہے۔ مگر کرشن تو سراپا ایثار ہیں، سلوک ہیں اور مہر و وفا سو اس کے پریمی بھی ایثار و تیاگ کا لبادہ اوڑھے ظالمانہ نظاموں کے مقابل نئی اور پیار کرنے والی دنیا کے باسی اور محبتوں کے راستے ہموار کرنے والوں میں سے ہیں۔ چنانچہ میرا بائی نے اپنے ترک و وفا سے عشق کا جو دیپ جلایا وہ آنے والے وقتوں میں محبت، انسانیت، خدا اور انسان شناسی کا الاؤ بن گیا۔

میرے من رام نام بسی
تیرے کارن سیام سکل لوگاں ہنسی
کوئی کہے میرا بھائی باوری، کوئی کہے کل ناسی
کوئی کہے میرا دیپ آگری نام پیاں سوں رسی
کھانڈ دھار بھگت کی نیاری کاٹی ہے جم پھنسی
میرا کے پر بھو گردھر ناگر سبد سرور دھنسی(11)

میرا کی شاعری میں بار بار مروجہ نظام حیات پہ چوٹ پڑتی ہے۔ اعلیٰ سے لے کر ادنی اور شاہ سے لے کر شودر تک کے لیے ایک فلسفۂ حیات جگمگاتا ہے کہ جو بتاتا ہے کہ دنیا اس وقت خود انسانی مظالم کے ہاتھوں اندھیر نگری اور ستم کدہ ہے اور اس نظامِ ستم کی تخلیق میں وہ ہاتھ بھی برابر کے شریک ہیں کہ جو خاموشی سے ظلم تو سہتے ہیں مگر ان بیڑیوں کو توڑنے کی کوشش نہیں کرتے کیونکہ وہ "لو بھی" ہیں حیات کے

ذرا سے رس ذرا سے رنگ کے لئے کولہو کے بیل بنے چکر لگانے میں جتے ہیں۔ اپنی حقیقت، انسانی عظمت سے دور محض لمحاتی خوشیوں کے لئے سچ اور حقیقی انسانی فرائض کو تیاگے ہوئے ہیں۔ یہ آواز جب بلند ہوتی ہے تو ایک طرف تو کچلے ہوؤں کو حوصلے اور امید کا پیام دیتی ہے دوسری طرف اہل ثروت و اقتدار کو جگاتی ہے کہ:

گیانی چوسر منڈی چوہٹے سرت پاسا سار
سادھو، سنت، مہنت گیانی کرت چلت پکار
داسی میرا لال گردھر، جیونا دن چار(12)

کہ یہ حیاتِ چند روزہ چوسر کی بازی ہے آج کا بادشاہ کل کا پیادہ ہے اور اگر پیادہ انسانی حیات کی طرف اپنے فرائض کو ادا کرنے میں سیدھے راستے کو اختیار کرے من کی کھوج کے لئے خدا سے لو لگا لے تو اس کا سفر بھی مکمل اور شخصیت بھی برتر ہو جاتی ہے۔ اول و آخر وہی "ذات" ہے اور ظاہر و باطن اسی کا جلوہ ہے من کی آنکھیں کھولو اور حقائق شناسی کرو وگرنہ بہت جلد ہستی کا سراب بشر کو نگل لے گا۔

تم بھی جھوٹے ہم بھی جھوٹے جھوٹا ہے سب سنسار
استری پریش کے سمبندھ جھوٹے، تو پھوٹیا ہیا تمارا
موہن لاگت پیارا رانا جی، موہن لاگت پیارا(13)

دنیا سراب ہے اور ہستی ایک فریب ہر رشتہ ناتا اک دکھاوا اور سماجی بندھنوں میں قید ایک جھوٹ اے میرے شوہر! میں تمہاری نہیں گردھر دکی ہوں کہ میرے جسم تا روح اسی کی ذات و احساس سرایت کئے ہوئے ہے ایسے میں میرا تم سے بیاہ تو ہو گیا لیکن پتی میرا پرمیشور نہیں کیونکہ پرمیشور ہی میرا پتی ہے۔ سوائے راجہ بھوج! آؤ تم بھی اسی کے رنگ میں رنگ جاؤ کہ وہی محبوب اور وہی خدا ہے اگر تم اسے نہیں شناخت پائے اس کی محبت و عرفان کے دائرے میں خود کو داخل نہ کر پائے تو تمہارے انسان ہونے پر لعنت ہے۔ یہ میرا کے عشق کی وہ دیوانگی ہے کہ جس نے اسے ہر نوع کی سزا اور خوف سے بے نیاز کر دیا تھا۔ میرا کی زبان سے ادا ہونے والا ہر لفظ طے شدہ سماجی نظام بالخصوص شاہی نظام کے لیے ایک للکار تھا۔ ابتداً شوہر نے ان کا ساتھ بھی دیا یہ سوچ کر کہ شاید میرا حسنِ سلوک سے متاثر ہو کر اپنی راہ بدل لے مگر میرا کا عشق خام نہ تھا کہ رنگ بدلتا، اس عشق کی راہ میں جب شاہی و سماجی نظام کی روکاٹیں آئیں تو اس عشق نے اپنی حدت و طاقت سے اپنے راستے نکالے، راستے مسدود کرنے والوں کو للکارا، اس للکار کو ان کے عمل نے بغاوت میں بدل دیا سو شاہی عتاب لازم تھا، میرا کو شاہی محل میں خفیہ طور پر سانپ سے ڈسوانے اور زہر سے ہلاک کرنے کی متعدد بار کوشش کی گئی۔ جس کا ذکر "پریم وانی" کے بھجن 53، 102، 103، اور بھجن 112 تا

119 تک میں بخوبی موجود ہے۔ بعد ازاں میرا پر مذہبی عدالت میں مقدمہ چلا جس میں انہیں خاندانی، سماجی اور نسائی اصولوں کی باغی و مجرم تصور کیا گیا

1۔ان پر الزام لگاتے ہوئے یہ کہا گیا کہ سماجی و مذہبی اصولوں کی روشنی میں ہر عورت پر لازم ہے کہ وہ اپنے شوہر کے تابع و فرماں بردار ہو، عورت کا وہی مذہب ہوتا ہے جو اس کے شوہر کا مگر میرا نے مذہب و سماج سے بغاوت کرتے ہوئے اپنے شوہر کا مذہب اختیار کرنے سے انکار کیا۔

2۔ سماج میں عورت کا مقام محدود و متعین ہے بالخصوص شاہی خاندان کی عورتوں کی حرمت کو یہ زیبا نہیں کہ وہ کھلے عام مردوں سے ملیں یا ان سے کسی قسم کا واسطہ رکھیں مگر میرا نے ان تمام حرمتوں کو پامال کرتے ہوئے سماج کے نیچ لوگوں سے تعلقات رکھے جو دھرم شاستر کے مطابق اچھوت تھے۔ وہ ان لوگوں سے اپنی خاندانی، مذہبی و سماجی روایات و اقدار کے خلاف نہ صرف ملتی رہیں بلکہ ان کی نیچ روایات کو اختیار کر کے مذہبی، سماجی و خاندانی حوالے سے ابتری کو ہوا دی۔

3۔ میرا نے سسرالی روایات کو پاش پاش کرتے ہوئے اپنے شوہر و سسرال کی اجازت کی بنا اپنے گھر کو تیاگ دیا اور وہ غیر لوگوں کے ساتھ گھر سے باہر رہیں جو کسی بھی عورت بالخصوص شادی شدہ عورت کے لئے پاپ ہے۔

4۔ میرا نے بیوی اور بہو ہونے کے ہر فرض سے بغاوت کی اور اپنے قانونی شوہر کے علاوہ ایک اور خیالی شوہر کو اپنے شوہر پر ترجیح دی جو کسی بھی ہندوستانی عورت کے لئے جرم ہے۔ میرا نے اپنے بھائی اور دیگر رشتہ داروں کے قاتل اور ہندو قوم کے دشمنوں سے خاندانی اجازت کے بنا ملاقاتیں کیں اور ان سے تحائف وصول کیے۔ یہ تمام باتیں سماجی، مذہبی اور خانگی حوالے سے گھمبیر جرائم اور بغاوت کے زمرے میں آتی ہیں سو میرا کو ان جرائم کی پاداش میں زہر کے پیالے کی صورت سزائے موت دی گئی جسے اس نے بخوشی قبول کر لیا مگر زہر ان کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔ انہوں نے میکا اور سسرال دونوں تیاگ دیئے اور پریم دیوانی کی صورت اپنے قدموں کو عشق کی راہوں کے سپرد کر دیا کرشن کی یہ دیوانی ہر بندھن ہر آنگن اور رشتے سے ماورا ہو کر کرشن بھگتی کی جوت جلاتی قریہ قریہ گھومتے اپنے محبوب کے مسکن ورندابن بھی جا پہنچیں جہاں انہوں نے کرشن بھگت اور روحانی دانشور جیو گوسوامی سے ملنے کی خواہش ظاہر کی مگر جیو گوسوامی نے ملنے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ وہ عورتوں سے نہیں ملتے۔ چنانچہ میرا نے جواباً بے ساختہ کہا کہ:

"میں تو سمجھی تھی ورنداون میں ایک ہی پرش ہے
اور وہ ہے کرشن لیکن آج معلوم ہوا کہ کرشن کے

علاوہ بھی ایک پرش ہے۔ آپ ابھی تک نر، ناری
کے بھید میں ہی الجھے ہیں تو آپکی بھگتی ادھوری ہے۔"(14)

یہ سن کر سوامی شرمندہ ہوئے اور اپنے آشرم سے نکل کر نا صرف میرا سے ملاقات کی بلکہ اپنے رویئے کی معافی بھی مانگی اور بولے مجھے نہیں معلوم تھا کہ میرا بائی بھگتی سادھنا کی اس اونچائی تک پہنچی ہوئی ہیں تاریخی روایات کے مطابق 1565ء میں دوارکا کے ایک مندر میں کرشن پوجا کے دوران عشق کی بے کلی میرا کو اس معراج تک لے گئی کہ وہ کرشن کرشن کرتیں کرشن کی صورت میں سما گئیں، دوارکا مندر میں کرشن مورتی کے ارد گرد میرا کے کپڑے موجود تھے مگر ان کا وجود کہیں نہ تھا لیکن مورتی سے نکلنے والی الوہی روشنی اس بات کی گواہی دے رہی تھی کہ کرشن نام پر جینے والی میرا بائی اب کرشن کی ذات میں سما کر عشق کی منجدھار کے پار لگ گئیں۔ پچھلے جنم کی یہ گوپی جو خود میرا کے بقول پچھلے جنم میں بھی کرشن بھگتی کی شاعرہ تھی بالآخر اپنی منزل کو پہنچ گئی۔

میرا بائی محض ایک مقبول شاعرہ ہی نہ تھی بلکہ وہ ایک فعال سماجی شخصیت تھیں کہ جنہوں نے گھٹے ہوئے ظالمانہ سماجی نظام میں عشق کی بدولت اپنی فکری مزاحمت کو بغاوت کا روپ دیا۔ بغاوت ان معنوں میں کہ انہوں نے نا صرف سماج کے متعینہ غیر مساوی و غیر انسانی اصول و قوانین کا رد کیا بلکہ اس کے مقابل ایک الگ راہ چنی، تبدیلی کا پرچار کیا اور اس راہ پر چل کر دکھایا اس ضمن میں انہیں شدید مصائب و تکالیف کا سامنا بھی رہا مگر سماجی ظلم کے ان زخموں پر ان کا عشق مرہم بنتا رہا۔ یوں طاقتوروں کے ہجوم میں ایک کومل، نازک، بظاہر کمزور و بے بس عورت نے ایک ایسے انقلاب کو جنم دیا کہ جو بعد ازاں ایثار، مساوات، صراطِ مستقیم، مذہبی رواداری اور انسان دوستی کا عمل، عشق لافانی کا نغمہ اور انسانی بیداری کا ترانہ بن کر صدیوں پہ محیط ہو گیا۔ بالخصوص نسائیت کی خوابیدہ قوتوں کو بیدار کرنے کے لیے انہوں نے اپنے گیتوں اور عمل و کردار سے جو صور پھونکا ہے وہ عہد جدید میں تانیثیت اور حرمتِ نسواں کا روپ دھار چکا ہے۔ ان کا نسائی وقار و للکار ملک و سرحد کی تقسیم سے ماورا عالمگیر بیداری بن چکی ہے۔ عالمی سطح پر ان کی شاعری کی یہ پذیرائی در حقیقت اس ہمت کا خراج ہے کہ جس نے تقریباً پانچ سو سال قبل اپنی جرات و جسارت سے سامنتی عہد کے ظالمانہ قوانین بالخصوص پردہ پر تھا اور ستی پر تھا جیسی برائیوں کے خلاف کھڑے ہو کر انہیں مٹا ڈالا تھا۔ ایک ایسی عورت جس نے عشق سے ناتوانی کو جِلا بخشی اور پھر اسی عشق کے خلاف اٹھنے والے محاذ کو داخلی قوت اور نسوانی وقار کے ساتھ ملیامیٹ کر دیا۔ انسانی سماج میں تعمیری بغاوت اور لافانی عشق کے حوالے سے میرا بائی کا نام سدا امر رہے گا۔

حواشی و حوالہ جات

1۔ پریم چند منشی (مترجم) "قرونِ وسطی میں ہندوستانی تہذیب 600ع سے 1100ع تک": آلہ آباد، ہندوستانی اکیڈمی یوپی، 1931، ص75

2۔ ایضاً، ص78

3۔ prabha sahay, "women in early indian society" new delhi : janaki parakashan patna, 1st published 2004, pn:5,6

4۔ ایشور اٹوپا، "ہندوستانی تمدن، جلد اوّل"، حیدر آباد دکن: اعظم اسٹیم پریس، 1943ع، ص44

5۔ شیاما چرن دوبے، "ہندوستانی سماج" نئی دہلی: نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا، پہلا اردو ایڈیشن 1993ع، ص122

6۔ v.k sethi, "Meera the Divine Lover" Punjab: Radha soami satsang Beas India, 4th edition 2009,pn, 3

7۔ میرا بائی، "پریم وانی" (مرتبہ) علی سردار جعفری، کراچی: آج کی کتابیں مدینہ سٹی ہال عبداللہ ہارون روڈ، 2006، ص25

8۔ ایضاً، ص29

9۔ ڈاکٹر ثروت خان (مرتبہ) "میرا: شخصیت و فن" علی احمد فاطمی مضمون "میرا بائی محبت و مزاحمت کی شاعرہ"، دہلی: عفیف آفسٹ پرنٹرس، 2009، ص 70

10۔ میرا بائی، "پریم وانی" ص89

11۔ ایضاً، ص104

12۔ ایضاً، ص114

13۔ ایضاً، ص124

14۔ "میرا: شخصیت و فن"، پروفیسر کلیان سنگھ شیخاوت مضمون "میرا بائی--- شخصیت و فن"، ص58